دَورِ نَو کا چیلنج

اور

ہمارے نوجوان

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دورِ نو کا چیلنج

اور

ہمارے نوجوان

یہ ایک خطاب ہے جو مولانا مودودیؒ نے اسلامی جمعیتہ طلباء پاکستان سے کیا تھا چونکہ خطاب ہمارے یہاں کے نوجوانوں کے لیے بھی اہمیت کا حامل ہے اس لیے اسے شائع کیا جا رہا ہے۔

میرے عزیز نوجوانو!

مجھے اسلامی جمیعۃ طلبہ کے اس اجتماع میں شریک ہو کر دلی مسرت حاصل ہو رہی ہے۔ مجھے وہ وقت یاد آ رہا ہے جب آج سے ۲۸ سال پہلے نوجوانوں نے اس جمیعت کی ابتدا کی تھی اور اس وقت کوئی اندازہ نہیں تھا کہ یہ جمیعت اس ملک میں ایک بڑی فیصلہ کن طاقت بن جائے گی۔ ایک مدت دراز تک ایک مایوسی کی سی کیفیت طاری رہتی تھی کہ یہ جمیعت آگے بڑھ سکے گی یا نہیں لیکن یہ سراسر اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔ یہ اسی کی تائید تھی کہ اس نے جمیعت طلباء کے نوجوانوں کے خلوص کو قبول فرمایا۔ ان کی کوششوں میں برکت عطا فرمائی، ان کو ہمت اور طاقت بخشی۔

میں اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو مزید خلوص عطا کرے۔ مزید طاقت عطا فرمائے۔ اپنی تائید اور اپنی رحمت سے مزید نوازے اور آپ لوگوں کے ہاتھوں سے

اس ملک کی نئی نسل بنے۔ بے دینی اور الحاد اور بد دیانتی کی راہوں سے ہٹ کر راست بازی اور خدا پرستی اور تقویٰ کی راہوں پر چلے اور اس کے ہاتھوں یہاں نظام اسلامی قائم ہو۔

میرے لیے جو موضوع تجویز کیا گیا ہے وہ ہے "دورِ نو کا چیلنج اور ہمارے نوجوان" اس معاملے میں سب سے پہلے آپ اس بات پر غور کیجیے کہ یہ دورِ نو ہے کیا چیز؟ انسان نے ہر زمانے میں اپنے دور کو دورِ نو سمجھا اور یہ خیال کیا کہ پہلے دور، دورِ کہن تھے جس کے اندر کوئی خوبی نہیں تھی جس کے اندر لوگ جہالت میں مبتلا تھے اور اب ہم دورِ نو کے لوگ روشن خیال ہیں اور علوم و فنون سے آراستہ ہیں اور ہمارے پاس وہ چیزیں ہیں جو پہلے لوگوں کو نصیب نہ تھیں۔ ہر زمانے میں انسان اسی غلط فہمی میں رہا ہے۔ حالانکہ علمی انکشافات کو چھوڑ کر جن کے دروازے اللہ تعالیٰ نے آہستہ آہستہ انسان کے لیے کھولے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو انسان آدم علیہ السلام کے وقت سے لے کر آج تک وہی رہا ہے جو تھا۔ اس کے ذہن کی ساخت وہی رہی ہے۔ اس کی دماغی صلاحیتیں وہی رہی ہیں۔ اس کے نفس کی خواہشات وہی رہی ہیں، اس کے جسم کے مطالبات وہی رہے ہیں اس کے سوچنے کے انداز وہی رہے ہیں۔ کبھی ان میں کوئی بنیادی فرق واقع نہیں ہوا کیوں کہ انسان کی تخلیق جس طرز پر ہوئی وہ آج بھی جاری ہے جس طرح کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت تھی، یہی وجہ ہے کہ آج سے چار ہزار برس پہلے مثلاً قوم لوط جس برائی میں مبتلا تھی، یہی وجہ ہے کہ آج چار ہزار برس بعد امریکہ جیسا اعلیٰ ترقی یافتہ ملک جس کا دعویٰ ہے کہ اس سے زیادہ ترقی یافتہ ملک دنیا میں کوئی نہیں۔ اس کے اندر قوم لوط کے پیروؤں کی تعداد اس وقت دو کروڑ بتائی جاتی ہے۔ کیا فرق واقع ہوا۔ اسی طرح سے قدیم زمانے میں اگر فرعون نے اپنے وزیر سے یہ کہا کہ ذرا میرے لیے اونچی عمارت بنا دے تاکہ

میں اوپر چڑھ کر دیکھوں تو سہی کہ یہ موسیٰ کا خدا کون ہے، کیسا ہے؟ اس کے تین ساڑھے تین ہزار سال کے بعد جب روس کا سپوتنک ۲ ۱/۲ ۲ سو میل زمین سے اوپر گیا تو خروشیف صاحب نے یہ فرمایا کہ ہم اوپر تک گئے ہیں کہیں خدا کا پتہ نہیں چلا۔ معلوم ہوا تین ساڑھے تین ہزار برس میں انسانیت کی ذہنیت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ اس کے سوچنے کے انداز میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ قطع نظر اس کے کہ فرعون مصر زیادہ سے زیادہ ایک اونچی عمارت اس مقصد کے لیے بنا سکتا تھا اور یہ سپوتنک بنا کر خلاء میں چلے گئے۔ یعنی یہ ٹیکنالوجی کی ترقی ہے۔ لیکن ذہنی اعتبار سے کوئی خاص ترقی نہیں۔ ذہن اسی مقام پر ہے۔ دہریے جس طرح قدیم ترین زمانے میں پائے جاتے تھے۔ فسق کے علم بردار اور فجور کے بدترین مرتکبین جس طرح قدیم زمانے میں پائے جاتے تھے اسی طرح آج کے زمانے میں بھی ہیں اور اسی طرح حق کے ماننے والے اور حق کیلئے کوشش کرنے والے حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں جسطرح موجود تھے آج کے زمانے میں بھی موجود ہیں یعنی نیکی بھی وہی ہے اور بدی بھی وہی ہے انسان کے ذرائع اور وسائل کی ترقی سے اور اس کے علمی اکتشافات اور ان کی زندگی میں استعمال کرنے کی وجہ سے اگر کوئی فرق واقع ہوا ہے تو وہ ایک فنی فرق ہے۔ اصل اور بنیادی اور جوہری فرق نہیں ہے

اس کے ساتھ یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ ہر دور کے لوگوں نے سمجھا ہے کہ ہمارے دور کی ترقی، انسانی ترقی کی حرف آخر ہے لیکن تھوڑی مدت نہ گذری تھی کہ ہر دور دورِ کہن بن کے رہ گیا اور بعد کے دور میں آنے والے اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے جن میں پہلے دور کے لوگ تھے۔ ابھی اسی پچھلی صدی کے آخر تک سائنٹسٹ اور ایسے فلسفی موجود تھے جو یہ کہتے تھے کہ لوہے کی گاڑی یا ایسی چیز جو ہوا سے بھاری

ہو، اس کا آسمان پر ہواؤں میں اڑنا ممکن نہیں ہے۔ انیسویں صدی کے آخر تک ایسے لوگ موجود تھے جو دعوے سے کہتے تھے کہ اس کا امکان نہیں ہے۔ اور کچھ زیادہ مدت نہیں گذری کہ ۱۹۱۱ء اور ۱۹۱۲ء میں لوہے کی بنی ہوئی گاڑی ہوا میں اڑی اور معلوم ہوا کہ وہ دقیانوسی لوگ تھے جو دس پندرہ برس پہلے یہ خیال کرتے تھے کہ ایسا ہونا ممکن نہیں تو یہ دورِ نو کے متعلق جو لوگوں کے دعوے ہیں اور یہ تصورات ہیں کہ یہ ترقی کا حرفِ آخر ہے یہ بالکل غلط ہے۔ ہر زمانے میں آدمی نے یہ سمجھا کہ ہم ترقی کے حرفِ آخر تک پہنچ گئے ہیں۔ لیکن بعد میں جو کوشش کی گئی تو مزید راستے کھل گئے۔ مزید ترقیاں کی گئیں اور پہلا دور، دورِ کہن بن کر رہ گیا۔ فلسفے میں بھی یہی حالت ہے کہ اس صدی کے آغاز تک اتنا نہیں بگڑا تھا جتنا آج بگڑا ہوا ہے۔" دورِ نو" کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد اب یہ دیکھئے کہ نوجوان سے کیا مراد ہے۔

نوجوان خود نہ خیر مجسّم ہے، نہ شر مجسّم ہے وہ نام ہے گرم خون کا وہ نام ہے نئی نئی چیزوں کے اخذ کرنے کی صلاحیت کا، وہ نام ہے ایسی ہستی کا جو اگر کسی چیز کے متعلق مطمئن ہو جائے کہ یہ حصول کی کوشش کرنے کے قابل ہے تو وہ اس کے لیے جان لڑا دیتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ برائی ہو، یا بھلائی ہو۔ جیسے تلوار ہے کہ مجاہد کے کام بھی آتی ہے اور ڈاکو کے کام بھی آتی ہے تو نوجوان ایک طاقت کا نام ہے قدیم ترین زمانے میں بھی برائیوں کے علم بردار یہی نوجوان بنتے تھے اور برائیوں کے علمبرداروں کی فوج وہی بنتے تھے اور ان کے ذریعے برائیاں پھیلتی تھیں۔ اور وہ برائیوں کو اخذ کرنے میں بوڑھے لوگوں کی بہ نسبت زیادہ تیز تھے۔ یہی کیفیت اس زمانے میں بھی ہے۔

اس زمانے میں جو اخلاقی برائیاں پھیل رہی ہیں ان کو سب سے بڑھ کر بھی نوجوان پھیلا رہے ہیں، ان کے اندر انتہا درجے کی بے باکی بھی نوجوان پیدا کر رہے ہیں۔ تو نوجوان کسی خیر مجسم کا نام نہیں ہے۔ اسی طرح سے نوجوان شر مجسم بھی نہیں ہے۔ اس کے اندر یہ صلاحیت ہے کہ وہ بھلائی کو پہچانتے اور بھلائی کو پہچاننے کے بعد جب اس کو اطمینان ہو جاتا ہے کہ یہ بھلائی ہے تو اس کے لیے جان لڑا دینے میں کوئی تامل نہیں کرتا۔

مصر کی تہذیب کو دیکھئے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر کی تہذیب کا جو حال تھا وہ آج امریکہ اور یورپ کی تہذیب سے مختلف نہیں تھا۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام ایک نوجوان تھے جنھوں نے اپنے اخلاق کی طاقت سے اور اپنے علم کی طاقت سے اور اپنی ذہانت کی طاقت سے اس تہذیب پر ایسی ضرب کاری لگائی کہ آخر کار اس ملک کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں دیدی گئی۔ انھوں نے کہا میرے حوالے کرو خزائن الارض، اور جس کے ہاتھ میں خزائن ارض تھے۔ اس نے کہا کہ یہ حاضر ہیں۔ آپ لیجئے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ دیکھئے کہ جو بوڑھے لوگ تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں رکاوٹ بنے رہے اور انھوں نے نوجوانوں کا ایک اچھا خاصا غول اپنے ساتھ لے لیا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ساتھیوں کو ہر طرح کی تکلیفیں پہنچا رہے تھے۔ ہر طرح کے ظلم و ستم ان پر ڈھا رہے تھے۔ حضرت بلالؓ کو تپتی ہوئی ریت پر گھسٹنے والے مکے کے نوجوان ہی تھے جنھوں نے بوڑھوں کے اکسانے پر غلط راستہ اختیار کیا، لیکن دوسری طرف دیکھئے حضورؐ کے ساتھی کون تھے جنھوں نے حق کے لیے سرفروشی کی انتہا کر دی وہ بھی جوان ہی تھے۔ حضورؐ کے

کے ابتدائی ساتھیوں کی فہرست اٹھا کر دیکھیے۔ صرف ایک صاحب تھے جن کی عمر حضورؐ کی عمر سے دو سال زیادہ تھی۔ باقی جتنے تھے سب آپؐ کی عمر سے کم تھے۔ کوئی دس برس کا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ۳۰، ۳۵ برس کی عمر کے لوگ تھے۔ یہی لوگ تھے جنھوں نے یہ دیکھنے کے باوجود آگ کی بھٹی ہے جو ہمارے سامنے ہے اور اسلام قبول کرنے کے معنی یہ ہیں گویا ہم دعوت دے رہے ہیں درندوں کو کہ آؤ" ہمیں بھنبھوڑ ڈالو۔ اور دعوت دے رہے ہیں ظالموں کو کہ ہمیں اسی آگ میں پھونک دو۔ اس کے باوجود انھوں نے اٹھ کر اعلان کیا کہ لاالٰہ الا اللہ قطعی طور پر اس بات کی پروا نہ کی کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے۔ ہر ظلم سہا، ہر مصیبت بھگتی۔ جب دیکھا کہ مکے میں کام کرنا مشکل ہے تو ملک، وطن، گھر بار، اعزا، اقربا، سب کو چھوڑ کر ہجرت کر گئے، کچھ نہ سوچا کہ ہجرت کر کے دوسری جگہ جائیں گے تو ہمیں کیا ملے گا، ہمارا کیا حال ہوگا، وہ بھی نوجوان ہی تھے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں تو نوجوان۔ ان میں مرد بھی تھے تو نوجوان تھے۔ اور انھوں نے تمام اپنی سرفروشیوں سے آخر کار اسلام کا جھنڈا بلند کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دے کر ایک ایسا انقلاب عظیم برپا کیا کہ جو صدیوں تک برپا رہا اور آج بھی برپا ہے اور انشاء اللہ قیامت تک اس کا اثر جاری رہے گا۔ یہ انہی لوگوں کی سرفروشیوں اور انہی لوگوں کی جانبازیوں کا نتیجہ ہے۔

اب اس دورِ نو کو آپ دیکھیے، جس دورِ نو کے متعلق بڑے فخر کے ساتھ کہا جا رہا ہے کہ یہ ترقی کا دور ہے۔ یہ روشن خیالی کا دور ہے لیکن اس دور کی حالت کیا ہے۔ سائنس جس کی ترقی پر اس قدر ناز کیا جا رہا ہے وہی تو ہے جو انسان کو برباد کرنے کے لیے ایسی تدابیر سوچ رہا ہے کہ بجائے اس کے کہ ماں اور باپ کے تعلق سے انسان پیدا ہوں

اور سائنٹیفک طریقے سے انسان "ٹیسٹ ٹیوب" میں پیدا کرنا چاہتے ہیں اور ان کا خیال یہ ہے کہ ہم جیسا انسان بنا سکتے ہیں اور خود بیان کرتے ہیں کہ ایک وقت ایسا آسکتا ہے کہ فرمائش پر جیسے انسان درکار ہوں ویسے تیار کر کے فراہم کئے جا سکتے ہیں۔ یہ سائنس کا حال ہے جس کے اوپر فخر کیا جا رہا ہے کہ یہ بڑی ترقی کی چیز ہے اور میں نے آسمان پر پہونچا دیا ہے۔ حالانکہ فی الواقع اس نے جتنا انسان کو بلند کیا ہے، اتنا اس کو پست بھی کر دیا ہے جتنا انسان کی بھلائی کا کام کیا ہے اس سے بہت زیادہ اس کی برائی کا، اس کی تباہی کا کام کیا ہے۔

اسی طرح آج کے فلسفیوں کو دیکھئے، ان کے فلسفوں میں کیا عقلیت پائی جاتی ہے۔ حقیقت میں قدیم زمانے کا جاہل انسان جس قسم کے تخیلات میں مبتلا تھا اسی قسم کے تخیلات آج پائے جاتے ہیں۔ انسان کے متعلق ان لوگوں کا تصور یہ ہے کہ انسان بنیادی طور پر جانور ہے۔ جانوروں سے ترقی کرتا ہوا آیا ہے۔ اب جو انسان اپنے متعلق یہ سمجھتا ہو کہ کل میرے باپ دادا بندر یا گوریلے تھے اور آج ترقی کرتے کرتے اس مقام پر پہونچا ہوں، وہ لامحالہ اپنی زندگی کا پروگرام جانوروں ہی کی زندگی میں تلاش کرے گا۔ چنانچہ آپ کی سوشیالوجی میں یہی ہو رہا ہے۔ جانوروں کی زندگی کا مطالعہ کر کے معلوم کیا جاتا ہے کہ فطرت کیا ہے حالانکہ انسان کی فطرت اور جانور کی فطرت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک طرف اسلام ہے جو انسان کو بتاتا ہے کہ اسے زمین پر خدا نے اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔ دوسری طرف موجودہ زمانے کا فلسفہ اور سائنس ہے جو انسان کو بتاتا ہے کہ تو جانوروں سے ترقی کرتا ہوا آیا ہے اور بنیادی طور پر تیرے اور جانور کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کے سوا کہ تیرا قد سیدھا ہے اس کے سوا تجھے پاؤں ایسے دے

گئے ہیں کہ جن سے تو وہ کام کر سکتا ہے جو جانور نہیں کر سکتے لیکن بنیادی طور پر وہ اپنے آپ کو جانور سمجھ رہے ہیں۔ اور اسی جانور سمجھنے کا یہ نتیجہ ہے کہ رفتہ رفتہ وہی فلسفہ جو کبھی دو ہزار برس پہلے مزدک نے پیش کیا تھا وہی فلسفہ آج پھیل رہا ہے۔ اس نے بھی زن، زر، زمین تینوں میں انسان کو مشترک قرار دیا۔ آج بھی وہ فلسفہ موجود ہے کہ زن، زر، زمین مشترک قرار دینے کے تصورات پیدا کیے جا رہے ہیں۔ زر کے بارے میں جو تصور مزدور نے پیش کیا تھا آج آپ یورپ اور امریکہ میں جا کر دیکھ لیجئے کہ یہ تصور جوں کا توں پایا جا رہا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ بنیادی طور پر مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے خواہ مرد بیٹا ہو اور عورت ماں ہو، خواہ مرد بھائی ہو اور عورت بہن ہو اور خواہ مرد باپ ہو اور عورت بیٹی ہو انکے نزدیک اب کوئی فرق واقع نہیں ہوگا۔ لیکن بہن اور بھائی کے تعلقات تو تقریباً بڑی کثرت سے رائج ہیں۔ باپ اور بیٹی کے تعلقات بھی اب کچھ زیادہ نادر نہیں رہے ہیں لیکن اب نوبت پہنچی ہے ماں اور بیٹے کے تعلق کے درمیان "پلے بوائے" کو اٹھا کر دیکھئے اس کے اندر آپ دیکھیں گے کہ کتنے کتنے واقعات صرف ماں اور بیٹے کے تعلقات کے بارے میں آ رہے ہیں، اتنی ذلیل سطح تک انسان کو پہنچا دیا گیا ہے جس کا کبھی تصور کرنا شریف آدمی کے لیے ممکن نہیں تھا اس چیز کو آج ہم عملاً پھیلتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ ہمارے ملک میں وہ لوگ موجود ہیں جو اس اخلاق کو یہاں درآمد کر رہے ہیں۔ وہی تمام سوچنے کے انداز یہاں پیدا کر رہے ہیں اور ان کی پیدا کی ہوئی اخلاقی برائیاں اسی راستے پر جا رہی ہیں جس راستے پر امریکہ اور یورپ میں جا رہی ہیں۔ اگر اس رفتار کو روکنے کی کوشش نہ کی گئی۔ اس اخلاقی تصور کو بدلا نہ گیا تو کچھ بعید نہیں ہے کہ آپ اپنی آنکھوں سے اس ملک میں ان لوگوں کی وہی حرکتیں کرتے دیکھیں جو امریکہ اور یورپ میں اب ہو رہی ہیں۔

اسی طرح آپ دیکھئے بڑا ناز کیا جاتا ہے اس بات پر کہ کمیونزم اور سوشلزم کا فلسفہ مارکس نے پیش کیا اور ایک بہت بڑی ترقی کی بات ہے حالاں کہ وہ ترقی کیا ہے وہ ترقی یہ ہے کہ پہلے بہت سارے سرمایہ داروں اور صنعت کاروں اور زمین داروں کے پاس ذرائع پیداوار تھے اور تقسیم کے ذرائع مختلف کثیر التعداد لوگوں کے ہاتھ میں تھے لیکن اب تمام ذرائع، ساری زمین، تمام صنعت تجارت، تمام دولت پیدا کرنے کے ذرائع وہ سب کے سب چند آدمیوں کے ہاتھ میں ہیں۔ ان کے مقابلے میں کوئی شخص سوچنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی شخص ایسی بات کرے کہ جس سے ان کو شبہ ہو جائے کہ یہ شخص ہمارے نظریات کے خلاف ہے، تو اب یہ نہیں ہے کہ اس کو جیل میں ڈالا جائے گا بلکہ اس کو پاگل خانے بھیجا جائے گا۔ اس کے متعلق تصور یہ کیا جاتا ہے کہ ہمارے نظریات سے مختلف نظریات سوچنے والا آدمی پاگل کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے اس لیے اس کو پاگل خانے بھیجو۔ کوئی آزادی کسی نوعیت کی ان ممالک میں نہیں ہے کہ جن ممالک کے اوپر یہ کمیونزم مسلط ہوا ہے اور یہ سوشلزم آیا ہے۔ سوشلزم اور کمیونزم میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں ہے کہ ایک زبردستی ایک کام کرتا ہے اور دوسرا دعویٰ کرتا ہے کہ ہم جمہوریت کے راستے سے آئیں گے لیکن مقصود دونوں کا ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ ذرائع پیداوار کو حکومت کی ملکیت میں دیدیا جائے اور وہی تقسیم کرنے والی ہو اور ظاہر بات ہے کہ حکومت کی ملکیت میں دیدیا جائے۔
اور وہی تقسیم کرنے والی ہو اور ظاہر بات ہے کہ حکومت کانسٹبلوں کا نام نہیں ہے۔ حکومت ان لوگوں کا نام ہے جو مرکز میں بیٹھ کر پلاننگ کرتے ہیں اور مرکز میں بیٹھ کر اختیارات استعمال کرتے ہیں تو دونوں کے دونوں اس ڈکٹیٹر شپ کی طرف جا رہے

ہیں جس سے بدترین ڈکٹیٹر شپ دنیا کی تاریخ میں کبھی نہیں پائی گئی۔ شیطان نے بڑے بڑے فرعون پیدا کیے۔ بڑے بڑے نمرود تیار کیے لیکن اب جو فرعون اور نمرود روس اور چین وغیرہ میں تیار ہوئے ہیں ان کے سامنے پچھلے زمانے کے فرعون اور نمرود گرد ہو گئے اور اس کو چاہا جا رہا ہے کہ ہمارے ملک میں مسلّط کیا جائے اس کے لیے اس کی یہ مخبری جا رہی ہے کہ مشرق سے کوئی آندھی اٹھ رہی ہے کہ جس کا یہاں استقبال کیا جائے گا اور وہاں سے کوئی سندور روانہ ہے جو اب یہاں مانگوں میں بھرا جائے گا۔ یہ تمام وہی جہالت کی باتیں ہیں جو قدیم ترین زمانے میں تھیں۔

اسی طریقے سے آپ دیکھئے قدیم زمانہ میں بڑے بڑے فراعنہ گذرے ہیں۔ بڑے بڑے جبار گذرے ہیں کوئی ایسا کام نہیں ہے جو آج کے جبار کرتے ہوں لیکن پہلے زمانے کے جبار نہ کرتے ہوں، لیکن آج کے جباروں نے جو نئے طریقے جباری کے اختیار کئے ہیں وہ آپ اپنے وقت میں خود دیکھ رہے ہیں۔ آپ کی اپنی آنکھوں کے سامنے وہ ہو رہے ہیں، نام لیا جا رہا ہے کہ ہم جمہوریت چلا رہے ہیں عملاً پوری کی پوری ڈکٹیٹر شپ، جمہوریت کے نام سے چل رہی ہے۔ جمہوریت کی شکل پیدا کی جاتی ہے اور اس کے اندر ڈکٹیٹر شپ کا شیطان داخل کر دیا جاتا ہے۔ زبردستی انتخابات جیتنے کے فن کو اتنا مکمل کر دیا گیا ہے کہ اب اس بات کا امکان ہی نہیں ہے کہ حکومت اپنے مقابلے میں کسی شخص کو جیتنے دے گی۔ اس کا کوئی امکان نہیں چھوڑا گیا۔ یہ فن بالکل مکمل ہو چکا ہے۔ یہ ترقی ہے یا تنزل۔ یہ اسی فرعون اور نمرود کے دور کی طرف واپسی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ فرعون اور نمرود کے بڑوں کو بھی نہ سوجھی تھیں وہ حرکتیں جو آج کے فرعون و نمرود کر رہے ہیں۔۔۔

پچھلے ہی دنوں ناصر صاحب نے جو ظلم و ستم ڈھائے ان کے بھی سارے حالات اب دنیا کے سامنے آرہے ہیں اور اندازہ ہو رہا ہے کہ کیا کچھ ظلم و ستم وہاں کیا گیا۔ یہ اس دورِ نو کا چیلنج ہے اور چیلنج اس بات کا ہے کہ کیا اس دنیا میں کچھ لوگ ایسے موجود ہیں کہ جو اس گمراہی کے مقابلے میں کھڑے ہوں، اس کو روکیں۔ اس کے مقابلے میں کوئی سائنس ایسا لائیں جو انسان کی بھلائی کے لیے کام کرے نہ کہ اس کی تباہی کے لیے۔ کسی ایسے فلسفہ کے علم بردار ہوں جو انسان کو انسان بنائے نہ کہ حیوان۔ جو اتنے اعلیٰ درجہ کے اخلاق کے لوگ ہوں کہ انسان کو جانوروں کے مقام پر گرنے سے بچائیں اور احسن تقویم کے مقابلے پر لے آئیں۔ یہ چیلنج ہے دراصل جو اس دورِ نو کی طرف سے ہے۔

اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے لامحالہ دو چیزیں آپ کے لیے ضروری ہیں ایک یہ کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی تعلیم میں جو ہدایت پائی جاتی ہے اس کو آپ سمجھیں۔ سچے دل سے قبول کریں۔ اپنی زندگی کا نصب العین یہ بنائیں کہ اس تعلیم کو دنیا پر غالب کریں گے اور اللہ کا کلمہ بلند ہوگا اور دوسرے سارے کلمے سرنگوں ہوں گے۔ اس چیز کا فیصلہ کریں۔ اس چیز کا عزم کریں یہ اولین چیز ہے۔ اور دوسری چیز یہ ہے کہ آپ کے پاس اخلاق کی وہ طاقت ہو کہ جس سے گمراہی پھیلانے والے اور گمراہی کی پیروی کرنے والے، آخرکار شکست کھا جائیں۔ میں ہمیشہ یہ بات کہتا رہا ہوں کہ اگر گمراہی پھیلانے والوں اور گمراہی کے علم برداروں کے پاس دنیاوی ذرائع ۹۵ فیصد ہوں اور حق کے پیروؤں اور اس کے علم برادروں کے پاس صرف ۵ فیصد ہوں۔ حق کے علم بردار محض اپنے نظریہ برحق کی صداقت کی بنا پر اور اپنے اخلاق کی قوت کی بنا پر ان کو شکست دے سکتے ہیں۔ بلکہ میں اب یہ کہتا ہوں کہ ۵ فیصد نہیں ایک فیصد بھی اگر ہوں، تو انشاء اللہ آپ

غالب ہوں گے لیکن شرط یہی ہے کہ ایک طرف ایمان کی طاقت ہو اور دوسری طرف اخلاق کی طاقت ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال کے اندر ایک قوم کی قوم کو بدل ڈالا۔ ایک پورے ملک کو مسخر کر لیا جس کا رقبہ تقریباً ۱۰۲۰ لاکھ مربع میل تھا اور لوگوں کی زندگیوں میں اتنا بڑا انقلاب برپا کر دیا کہ جو ڈاکو تھے وہ امانت دار بن گئے جو خدا سے بے خوف تھے وہ متقی بن گئے جو خلیق خدا پر ہر طرح کی زیادتیاں کیا کرتے تھے وہ خلق خدا کے لیے رحمت بن گئے اور یہ انقلاب صرف ۲۳ سال میں ہوا۔ یہ کس چیز کا نتیجہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس حق کو لے کر آئے تھے اس حق کو اتنے مضبوط دلائل کے ساتھ آپ نے مدلل طریقے سے پیش کیا کہ باطل کے پاس کوئی حجت باقی نہیں رہی کہ جو اس کے مقابلے میں لا سکے، آخر کار شدید ترین مخالفوں کو بھی اس حق کو تسلیم کرنا پڑا۔ اس حق کے آگے ہتھیار ڈال دینے پڑے۔

دوسری چیز آپؐ کے اور آپؐ کے ساتھیوں کے بلند ترین اخلاق تھے جنھوں نے لوگوں کے دلوں کو مسخر کیا۔ آپ حیران ہوں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جتنی لڑائیاں ہوئی ہیں ان میں دشمنوں کے مشکل سے تین سو آدمی مارے گئے اس کو (Bloodless Revolution) کہنا چاہیے تین سو آدمیوں کے مارے جانے پر ۲۳ سال کے اندر ایک پورے ملک میں انقلاب برپا کر دیا۔ انقلاب محض حکومت کا انقلاب نہیں، اخلاق اور روحانیت کا بھی اور انسانیت کا بھی انقلاب برپا کر دیا۔ ظاہر بات ہے کہ اس کو غیر خونی انقلاب کہیں گے۔ یہ اخلاقی قوت کا برپا کردہ انقلاب تھا۔ تلوار کا برپا کردہ انقلاب نہیں تھا اور وہ حق جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش فرما گئے ہیں وہ آج جوں کا توں موجود ہے۔ قرآن مجید میں بھی

موجود ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپؐ کی حدیث اور آپؐ کے اقوال اور آپؐ کے صحابہ کرام کے آثار ان سب کے اندر جوں کا توں موجود ہے کہ کوئی چیز اس کے اندر ایسی نہیں ہے جو بدل گئی ہو جس کو مٹا دیا گیا ہو جس کے اندر ذرہ برابر بھی کوئی تغیر و تبدل کر دیا گیا ہو اور جن دلائل کے ساتھ وہ حق پیش کیا گیا تھا وہ آج بھی موجود ہے۔ آج بھی کہتا ہوں کہ جن دلائل کے ساتھ اسلام کو پیش کیا گیا تھا وہی دلائل لے کر آپ اٹھیں۔ آپ کے مقابلے میں کوئی فلسفہ ایسا نہیں لا سکتا، کوئی نظریہ ایسا نہیں لا سکتا جو علمی حیثیت سے اس کے مقابلے میں ٹھہر سکے بشرطیکہ آپ اپنے کو اس کے لیے تیار کریں بشرطیکہ اس کے ساتھ اپنی قوت ذہنی کو استعمال کر کے اس کو پوری قوت اور پورے دلائل کے ساتھ اور اس زمانے کی سائنس اور فلسفے اور دوسری چیزوں سے جو کچھ دلائل ملتے ہیں ان کو ملا کر استعمال کر کے آپ ان کو ایسے طریقے سے پیش کریں کہ دنیا کے دماغ مسخر ہو جائیں۔ دنیا یہ ماننے پر مجبور ہو جائے کہ ہاں حق یہی ہے اور اس کے سوا کوئی اور حق نہیں ہے اور اگر انسان کی بھلائی ہے تو اسی کے اندر ہے۔

اس وقت یہ کیفیت ہے کہ امریکہ اور یورپ میں جو لوگ اپنے دین سے باغی ہو چکے ہیں جو لوگ خدا کے منکر، آخرت کے منکر، جو چرچ کے اوپر تین حرف بھیجتے ہیں جنھوں نے چرچوں کو تقریباً ویران کر دیا ہے جن کی بدولت چرچ بک رہے ہیں۔ فروخت ہو رہے ہیں۔ اور جن چرچوں پر معلین اور پادریوں کا حال اب یہ ہو گیا ہے کہ وہ پاگل خانے پہنچ رہے ہیں کیوں کہ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ آپ کا ذہنی توازن کیوں بگڑ گیا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ذہنی توازن اس سے بگڑ گیا ہے کہ ہم جس چیز کی تبلیغ کرتے ہیں اس پر ایمان نہیں رکھتے یہ زبردست (Conflict) اور یہ زبردست تصادم جو ہمارے

اپنے ذہن میں برپا ہے اس نے ہمارا دماغ خراب کر دیا ہے۔

اسی یورپ اور امریکہ میں جب اسلام کے متعلق صحیح تعلیمات پہنچی ہیں تو لوگ آگے بڑھ کر ان کو قبول کر رہے ہیں۔ اگرچہ ان کے اندر تاریخی متعصبات ایسے موجود ہیں۔ صلیبی جنگوں کے زمانے میں جو نفرت اسلام کے خلاف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اور قرآن مجید کے خلاف پھیلائی گئی ہے اس کے اثرات اب تک موجود ہیں۔ اس کی وجہ سے یورپ اور امریکہ کے لوگ جب اپنے دین سے بیزار ہو کر کسی دین کی تلاش میں نکلتے ہیں تو بدھ ازم کا مطالعہ کرتے ہیں، ہندو ازم کا مطالعہ کرتے ہیں اور دوسرے مذاہب کا مطالعہ کرتے ہیں جب ان سے وہ غیر مطمئن ہو جاتے ہیں تو آخر میں اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں اور اسلام ان کو مسخر کر لیتا ہے تو آج بھی ان دلائل میں یہ طاقت ہے آپ ان دلائل کو لے کر اٹھیں، ان کو پھیلائیں۔ دنیا میں لوگوں کے سامنے جائیں۔ آپ کے اس ملک میں جو کٹر دہریے ہیں، آپ ان کو (Convert) کر سکتے ہیں۔ ان کے دین، ان کے تصورات کو آپ بدل سکتے ہیں جو کمیونزم کے پیرو ہیں، آپ اپنے دلائل سے ان کو مطمئن کر سکتے ہیں کہ اسلام وہ چیز ہے جو انسان کی بھلائی کے لیے وہ کام کر سکتا ہے جو کمیونزم اور سوشلزم نہیں کر سکتے۔ اسی طرح آپ اپنے اندر وہ اخلاق پیدا کریں جو دلوں کو جیتنے والا ہو، اس ملک میں گالیوں نے جو فروغ حاصل کیا ہے کہ چھوٹے سے لے کر بڑے تک اور عامی سے لے کر عالم تک بے تکلف گالیاں بک رہے ہیں۔ مگر آپ کی زبان گالیوں سے پاک ہونی چاہیے۔ جو آپ کو گالی دے اس کے جواب میں آپ کے پاس گالی نہیں ہونی چاہیے، جو آپ سے لڑے اس کے مقابلے میں آپ شرافت اور انسانیت کا مظاہرہ کریں، جو آپ کے ساتھ

برائی کرے آپ اس کے ساتھ بھلائی کریں۔ اس کے بعد آپ دیکھیں کہ کون آپ کے مقابلے میں ٹھہر سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جو آپ کا کٹر دشمن ہے وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے لیکن اس نے جتنا جن لوگوں کو بہکایا ہے ان لوگوں کو آپ کے خلاف بدگمان کیا ہے، جب وہ آپ کے اخلاق دیکھیں گے آپ کی سیرت دیکھیں گے۔ آپ کا برتاؤ دیکھیں گے۔ تو آخر کار مان جائیں گے کہ وہ شخص جھوٹا تھا جو آپ کے متعلق بدگمانیاں پھیلا رہا تھا اور آپ لوگ سچے ہیں۔ آپ کے اندر وہ اخلاق پائے جاتے ہیں جو مسلمان میں ہونے چاہئیں۔

یہ دو چیزیں ہیں دو ہتھیار ہیں جن میں آپ سے کہتا ہوں کہ اگر آپ ان سے مسلح ہو جائیں تو آپ دنیا کو مسخر کر سکتے ہیں۔ چاہے آپ کی تعداد اس ملک کی آبادی میں ایک فی ہزار بھی نہ ہو۔ اسی طرح سے ذرائع وسائل تمام آپ کے دشمنوں کے ہاتھ میں ہوں تو کوئی پروا نہیں، اس کی بھی پروا نہ کیجئے کہ ریڈیو ان کے ہاتھ میں ہے ٹیلی ویژن ان کے ہاتھ میں ہے سارے پریس میں وہ چھائے ہوئے ہیں فوج ان کے ہاتھ میں ہے۔ اور پولیس بھی ان کے ہاتھ میں ہے۔ عدالتیں بھی ان کے ہاتھ میں ہیں قانون بھی انکے ہاتھ میں ہے کوئی پروا نہ کیجئے یہ ساری طاقتیں ان کے ہاتھ میں ہوتے ہوئے آپ ان کو شکست دے سکتے ہیں بشرطیکہ آپ ان دو ہتھیاروں سے مسلح ہوں۔ یہ دو ہتھیار ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا کھڑے ہو کر عرب کو مسخر کیا اور آخر کار عرب کو مسخر کرنے کے بعد اسلام کے اندر وہ زبردست طاقت بھر دی کہ جو ایک طرف چین کی سرحدوں سے لے کر دوسری طرف اندلس اور مغرب اقصیٰ تک تمام دنیا کے بہت بڑے حصے تک چھا گئی اور اتنی کم مدت میں چھا گئی کہ ایسا انقلاب کبھی تاریخ میں ہوا ہی نہیں۔

آج بھی یہ ہو سکتا ہے۔ ایسا نہیں کہ اللہ کے وہ قوانین بدل گئے ہوں جن کی بدولت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کے قوانین وہی ہیں ان میں کوئی تغیر نہیں ہوا ہے۔ چیزوں کے جو اثرات زمانہ قدیم میں تھے وہ آج بھی موجود ہیں۔ برائی کے بھی کچھ اثرات ہیں جو قدیم زمانے میں تھے، آج بھی ہیں اور بھلائی کے بھی کچھ اثرات ہیں جو قدیم زمانے میں تھے اور آج بھی ہیں اور آپ وہ بھلائی اختیار کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کی تھی جو آپ نے صحابہؓ میں پیدا کی تھی: آپ دیکھیں گے کہ آج بھی اس کے اثرات و نتائج وہی ہوں گے جو اس زمانے میں ہوئے تھے۔ اسی طرح آپ دینِ حق کو مضبوط دلائل کے ساتھ، ناقابلِ انکار دلائل کے ساتھ دل لگتے دلائل کے ساتھ پیش کریں تو ہر زبان میں جو آپ حاصل کر سکتے ہوں پیش کریں تو آپ دیکھیں گے کہ تمام ذرائع وسائل دشمنوں کے ہاتھ میں ہوتے ہوئے آپ صرف اپنے دلائل کے زور سے لوگوں کے دماغوں کو فتح کر لیں گے اور وہی لوگ جو آپ کے مخالف ہیں آپ کے ساتھی آپ کے حامی و مددگار بن جائیں گے۔

آپ کو کہیں سے فوج بھرتی کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ فوج خود مسخر ہو کر آپ کے ساتھ آجائے گی۔ آپ کو ہتھیار فراہم کرنے کی ضرورت نہیں کالج اور یونیورسٹیاں دوسرے قائم کریں۔ ان کے اندر پڑھنے والوں کو آپ مسخر کر کے اپنے کام میں لا سکتے ہیں۔ آپ کو سائنٹسٹ فراہم کرنے کی ضرورت نہیں۔ سائنٹسٹ جو موجود ہیں انہی کو تبدیل کیجیے، انہی کے ذہن بدلیے۔ ان کی سائنس کا علم آپ کے کام آسکتا ہے۔ اس طرح سے تسخیرِ انسان کا جو فن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید نے سکھایا ہے اس فن کو آپ حاصل کر لیں۔

اس کے بعد میں آپ کو یقین دلاتا ہوں (میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میری آنکھوں کے سامنے ہو یا میرے دس برس یا پچاس برس بعد ہو) لیکن یقیناً اس قوتِ مسخرہ کو استعمال کریں گے تو دنیا مسخر ہو کر رہے گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحریک اسلامی کے کارکنان طلباء کی ذمہ داریاں اور صفات

میرے عزیز نوجوانو!

آپ کی تنظیم کی حیثیت کسی کلب یا کسی بحث و مباحثہ کی انجمن کی نہیں بلکہ یہ تنظیم ایک بڑے مقصد کے لیے قائم ہوئی ہے اور وہ مقصد بھی ایسا ہے جو اپنے حصول کے لیے آدمی کی پوری زندگی، ساری قابلیتیں اور ساری صلاحیتیں چاہتا ہے۔ خاص طور پر جس ماحول میں آپ کو کام کرنا ہے اس میں کڑی محنت اور ایک بڑی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ جن تعلیمی اداروں میں آپ کو دین کے قائم کرنے کے لیے کوشش کرنی ہے ۔ وہ سب اس مقصد کے خلاف قائم کیے گئے ہیں ان کے نظام، اصولوں اور مقصد کسی چیز میں بھی اس نصب العین کے لیے کوئی جگہ نہیں جس کے لیے آپ کو کام کرنا ہے اس مخالف ماحول میں آپ کے کارکنوں کو ایک سخت کش مکش سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے ۔ اس لیے ضروری ہے کہ تنظیم کے اندر وہ صفات پرورش پائیں جو

انہیں اس کش مکش میں کامیاب ہونے کے قابل بنا سکیں۔

اقامت دین کے اس کام کے لیے دس صفات کی ضرورت ہے۔ ان میں سے ۵ صفات تو آپ میں ہونا ضروری ہیں۔ اور ۵ صفات وہ ہیں جو آپ کی تحریک اور آپ کی اجتماعی جدوجہد میں ہونی چاہئیں۔

اسلام کا صحیح فہم

یہ پہلی صفت ہے جو آپ میں ہونی ضروری ہے مختلف لوگوں اور طبقات کے لیے اس کے مطالبات الگ الگ ہیں۔ دین کی جو سمجھ ایک دیہاتی کے لیے کافی ہے ضروری نہیں ہے کہ ایک شہری کے لیے بھی کافی ہو۔ اچھے ذہن رکھنے والے لوگوں کو جنہیں ذہین اور تعلیم یافتہ طبقے میں کام کرنا ہو، اسلام کا گہرا فہم درکار ہے۔ آپ کا دائرہ عمل کالج اور یونیورسٹیاں ہیں جو موجودہ زمانے میں رہبری اور لیڈر شپ کے لیے تیار کرتی ہیں جن کو حکومت چلانا ہے، نظامِ سیاست تشکیل دینا ہے۔ اس طبقے میں کام کرنے کے لیے اسلام کا گہرا اور تفصیلی علم ضروری ہے۔ آپ کو یہ جاننا چاہیئے کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں اسلام ہماری کیا رہنمائی کرتا ہے، موجودہ زمانے کے قانونی اور معاشی اصول کیا ہیں اور ان کے مقابلے میں اسلام کیا اصول دیتا ہے اور پھر یہ کہ ان اصولوں کو عملی زندگی پر کس طرح منطبق کیا جا سکتا ہے۔

اسلام بحیثیت مقصد زندگی

دوسری صفت جس کا آپ میں ہونا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ آپ اسلام کے قائم کرنے

کو اپنی زندگی کا مقصد بنائیں۔ اس مقصد کے لیے مخلص ہوں اور عزم راسخ رکھتے ہوں۔ کسی چیز کو مقصد زندگی بنانے کا مطلب صرف اس مقصد کو اچھا سمجھنا نہیں، یہ کہہ دینا کہ میں اسلام کا شیدائی ہوں، کافی نہیں۔ ایسے آدمی دنیا میں بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں مگر اسلام کو غالب کرنے کے لیے وہ کوئی کام نہیں کر سکتے اس لیے کہ صرف چاہنے کا نام زندگی کا مقصد بنانا نہیں ہے۔ مقصد زندگی وہ ہے جس کے لیے سارا وقت، ساری محنتیں اور ساری صلاحیتیں کام میں لائی جائیں۔

زندگی کا ایک مقصد طے ہو جانے کے بعد اپنے کاموں میں اس مقصد کو دوسرے تمام مقاصد پر اور دنیا کے فائدوں پر عملی اعتبار سے فوقیت دینی چاہیے۔ لیکن ایسا کرنے کے لیے نیت کا خالص ہونا شرط ہے۔ ریا یا دنیوی تعریف اور واہ واہ کو مقصد نہیں بنانا چاہیے۔ آپ کو تعریف کرنے والوں یا مذمت کرنے والوں کی کوئی پروا نہیں ہونی چاہیے۔ یہ کام تمام قسم کی مشکلات اور مخالفتوں سے بے نیاز ہو کر پکے ارادے کے ساتھ کیا جانا چاہیے۔ پکے ارادے کے معنی یہ ہیں کہ مقصد طے ہو جانے کے بعد ہر وقت اس کے حصول کی کوشش کی جائے اور اس میں استقامت اور مضبوطی دکھائی جائے۔ کسی طرح کا کوئی شک آپ کے دماغ میں پیدا نہیں ہونا چاہیے۔ اس راہ میں انہی لوگوں کو آنا چاہیے جو پوری مضبوطی اور ٹھنڈے دل کے ساتھ اپنے مقصد کے لیے کام کر سکتے ہوں۔

غلبۂ اسلام کے لیے ضروری صلاحیتوں کا حصول

صرف پہلی دو چیزیں اسلام کو غالب کرنے کے لیے کافی نہیں ہیں۔ اسلام کو

غالب کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ میں اونچے درجے کے اجتہاد کی صلاحیت موجود ہو، آپ زندگی کے مختلف میدانوں میں رہنمائی اور تعمیر نو کا کام انجام دے سکیں۔ اس لیے کہ مسلمانوں کا اصل زوال اس وقت شروع ہوا جب مسلمانوں نے تحقیق و اجتہاد کے دروازے بند کر دیئے۔ دنیا کے جن ممالک میں اسلام کا چلن بند ہوا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مسلمانوں نے اجتہاد کو ختم کر دیا اور دنیا کی کوئی رہنمائی نہیں کی۔ زندگی کے تمام معاملات میں رہنمائی کا فریضہ اور سارا تعمیری کام غیر مسلم قومیں کرتی رہی ہیں۔ یہ وہ قومیں ہیں جنھوں نے مذہب سے ہٹ کر خدا سے بغاوت کی بنا ڈالی۔ مسلمانوں نے اجتہاد کے دروازے بند کر کے مغربی علوم کے گھسنے کی راہیں ہموار کر دیں اور اس کے بعد پوری مسلم قوم نے اپنی تہذیب اور اصولوں کو جھٹلا کر مغربی تہذیب کو قبول کیا اور غلامی و محکومی کا طوق گردن میں ڈال لیا اور جب مسلمانوں کی حالت اس حد تک گر گئی کہ ان کا الگ وجود باقی رہنا بھی مشکل ہو گیا تو مغربی قوموں نے اپنا نظام تعلیم نظام معیشت، نظام سیاست اور نظام قانون ہم پر لاد دیا۔ اب اگر ہم اسلام کو غالب کرنا چاہتے ہیں تو صرف فقہ اور حدیث کا مطالعہ کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ زندگی کے موجودہ غلط نظام کی اسلام کے اصولوں کے مطابق تعمیر نو کی صلاحیت بھی موجود ہونی چاہیے۔ آپ اگر زندگی کے تمام شعبوں کو بدلنا چاہتے ہیں تو صرف چاہنے سے یہ تبدیلی نہیں ہو جائے گی بلکہ اس کے لیے اجتہاد کی غیر معمولی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کی ضرورت ہے۔ اجتہاد کا مطلب صرف فقہ کو بدلنا نہیں بلکہ زندگی کے تمام مسائل کو نئے سرے سے اسلام کے مطابق ترتیب دینا ہے۔

مقصد کے مطابق سیرت و کردار

صرف فکر کا درست ہونا کافی نہیں بلکہ زندگی کا اس فکر کے مطابق ہونا

ضروری ہے۔
اپنی عملی زندگی میں ان اصولوں کو پوری طرح برتنے کی کوشش کریں جن کی صداقت اور برتری پر آپ ایمان رکھتے ہیں اور اپنی زندگی سے ان تمام چیزوں کو ایک ایک کرکے خارج کردیں جو مقصد سے دور لے جانے والی ہوں۔ ہر کام جو انسان اپنے عقیدے کے خلاف کرتا ہے اس سے اس آدمی کے اندر منافقت پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ چیز آدمی کے کیرکٹر کو گھن لگادیتی ہے اور پھر وہ کسی کام کا نہیں رہتا۔ دنیا میں ان لوگوں نے کوئی کام کیا ہے جن کی عملی زندگی ان کے عقیدے کے مطابق تھی۔ جس چیز کو سچ سمجھا اس پر چلنا چاہیے۔ اور اس کی گواہی آدمی کی زندگی سے ملنا چاہیے۔ اگر ایک آدمی ایسا نہیں کرتا تو نہ صرف یہ کہ اس میں منافقت پیدا ہوگی بلکہ باہر کی دنیا بھی ان اصولوں کی سچائی کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگی اس لیے کہ کوئی بات کہنا اور خود اس پر نہ چلنا اپنی بات کو خود ہی جھٹلانے کے مترادف ہے۔

صبر اور استقامت کے ساتھ مسلسل کام

پانچویں چیز یہ ہے کہ آپ اپنے اندر صبر اور استقامت کے ساتھ اپنے مقصد کے لیے کام کرنے کی عادت ڈالیں جو لوگ دنیا میں کوئی بڑا کام کرتے ہیں، ان میں مسلسل کام کرنے کے لیے اس عادت کا ہونا بہت ضروری ہے محض جوش میں آکر کوئی آدمی پہاڑ ڈھانے کے لیے تیار ہوجاتا ہے تو وہ کوئی کام نہیں کرسکتا۔ اس کے برخلاف اگر کوئی آدمی صبر کے ساتھ لگاتار کام کرتا چلا جائے تو پھر کوئی ایسی چوٹی نہیں رہ جائے گی جس کو سر نہ کیا جاسکے۔ وقتی جوش میں کیا ہوا کام مضبوط اور پائیدار نہیں ہوتا اس کے لیے باقاعدہ

طور پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ پانچ صفات ہر اس آدمی میں ہونا ضروری ہیں جو دین کے قائم کرنے اور اسلام کے غلبہ کے لیے کام کرے۔ اس کے علاوہ درج ذیل پانچ صفات اپنی تنظیم اور طاقت بڑھانے اور لوگوں کو اپنے قریب لانے کے لیے ضروری ہیں۔

لوگوں کو قریب لانے کا نفسیاتی طریقہ اپنائیں

ان صفات میں سے ایک صفت تو یہ ہے کہ آپ لوگوں کو قریب لانے کا نفسیاتی طریقہ اچھی طرح جانتے ہوں یعنی اس فن سے اچھی طرح واقف ہوں کہ مخاطب کو اپنی بات کی طرف کس طرح راغب کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے کوئی ایک قاعدہ نہیں بنایا جا سکتا۔ اس لیے کہ ہر آدمی الگ قسم کی نفسیات، مزاج، دماغ اور سوجھ بوجھ کا مالک ہوتا ہے۔ اس سے بات کرنے اور اسے اپنی طرف کھینچنے کے لیے اس کی مخصوص حیثیت کو نگاہ میں رکھ کر طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ اس لیے آپ کو اس سے واقف ہونا چاہیے کہ ہر آدمی کی الگ نفسیات اور فطرت کے مطابق اسے کس طرح متوجہ کیا جائے۔ اس کام کے لیے آپ کے پاس کافی لٹریچر موجود ہے، جس سے آپ مدد لے سکتے ہیں۔ لیکن اگر صرف لٹریچر پڑھ لیا جائے، فنی قابلیت حاصل کر لی جائے لیکن عملی کام نہ کیا جائے تو وہ مطالعہ اور محض قابلیت بالکل بیکار ہے۔ اس مقصد کے لیے کام کرتے ہوئے عملی مشقوں میں مہارت بہت ضروری ہے۔ وہی چیز جو آدمی اپنے ذاتی مفاد کے لیے استعمال کرتا ہے اس کو آپ اللہ کے راستے میں استعمال کریں۔

سمجھانے اور دلائل دینے کی صلاحیت

اس کام کے لیے صرف راغب کرنے کے نفسیاتی ڈھنگ کا جان لینا کافی نہیں ہے۔ بلکہ آپ میں یہ صلاحیت ہونی چاہیے کہ آپ ایک آدمی کو رسالت، وحی اور کتاب کے موضوعات پر نہ صرف دلائل سے اپنی بات منوا سکیں بلکہ تفصیل سے سمجھا کر اسے مطمئن بھی کر سکیں۔

اپیل صرف دماغی نہیں، جذباتی بھی

تیسری چیز یہ ہے کہ آپ کی اپیل صرف دماغی اور فکری نہ ہو بلکہ جذبات کو ابھارنے والی بھی ہو۔ اس لیے کہ انسان کی زندگی میں تبدیلی لانے کے لیے یہی دو چیزیں ہیں۔ ایک دماغ اور دوسرا دل۔ بہت سے لوگ دماغی اپیل سے مطمئن (Convince) نہیں ہوتے، بلکہ انہیں جذباتی اپیل سے مطمئن کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے آپ دماغ کے ساتھ دل کو اپیل کرنے کی کوشش کریں۔ دل سے اپیل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے تعلقات لوگوں سے خیر خواہی کی بنیاد پر ہوں اور آپ ان کا بھلا چاہیں، آپ کا برتاؤ اتنا رفیقانہ اور ہمدردانہ ہو کہ وہ آپ کی ان خوبیوں سے متاثر ہوں اور آپ کے ساتھ آجائیں۔ اپنے اندر اس خوبی کو پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ ہمدرد دوست اور مخلص ساتھی بنیں۔ ہمدردی اور سچی محبت ایسی چیزیں ہیں جو سنگ دل سے سنگ دل آدمی پر اثر کرتی ہیں اور اسے موم بنا دیتی ہیں۔ آپ کا برتاؤ ایسا ہونا چاہیے کہ لوگ اس سے اثر لیں اور سمجھیں کہ آپ اچھے کردار کے انسان ہیں۔ دوسروں کی تکالیف میں آپ کام آئیں۔ یہ سب چیزیں جذباتی اپیل کرنے والی ہوں گی۔

مطالعہ، غور و فکر

مطالعہ کرنے کے بعد اس پر غور و فکر کریں۔ آپ قرآن، حدیث، سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین کی سیرت و قوانین اسلامی کا گہرا مطالعہ کریں۔ اس لٹریچر کا بھی مطالعہ کریں جو زندگی کے مختلف مسائل کو حل کرنے کے لیے موجودہ زمانے میں لکھا گیا ہے۔ جدید علوم میں آپ بصیرت پیدا کریں۔ صرف کورس کی کتابوں ہی کا مطالعہ نہ کریں بلکہ دوسرے علوم کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کریں اور پھر اس گہرے مطالعہ پر گہرے طریقہ سے غور و فکر کریں۔ اس طرح آپ دین کو اچھی طرح سمجھیں گے، دوسروں کو (Convince) کرنے میں مدد ملے گی اور آپ میں اجتہاد کی صلاحیت پیدا ہوگی۔

اپنا جائزہ

اپنی تربیت کے لیے بہت ہی ضروری چیز ہے۔ اپنا احتساب خود کرنا اور اپنی زندگی کو اپنے مقصد کے مطابق جانچ کرتے رہنا۔ ہر لمحہ آپ یہ دیکھتے رہیں کہ آپ کا قول کس حد تک پورے اترتے ہیں۔ جہاں آپ کا ضمیر آپ کی خامیاں گنوائے وہاں تاویلات کر کے اس کا منہ بند کرنے کی کوشش مت کیجیے۔ اس لیے کہ ضمیر کی آواز کو بند کرنے کی کوشش ضمیر کو سلا دیتی ہے۔ اور اگر ضمیر کی آواز نہ دبائی جائے تو وہ آدمی کا بہت اچھا مربی بن سکتا ہے۔ اپنی خامیوں کا علم ہوتے ہی ان کی اصلاح کے لیے لگاتار کوشش کرتے رہنا ضروری ہے اگر آپ نے اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق اپنی خامیاں دور کرنا شروع کر دیں تو آپ کا ایسا کرنا آپ کے اندر زبردست قوت ارادی پیدا کر دے گا۔

ذکر الٰہی

نماز، روزہ، تلاوتِ قرآن اور اللہ کا ذکر، یہ وہ چیزیں ہیں جو انسان کو یاد دلاتی رہتی ہیں کہ وہ کس کے سامنے جوابدہ ہے اس کے ساتھ ہی انسان کو اپنے کاموں کا انجام بھی یاد دلاتی رہتی ہیں۔
اگر آپ کبھی اپنی کسی غلطی پر غور کریں تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ اس غلطی کے مرتکب ہوتے وقت آپ کے دل میں خدا اور آخرت کی یاد تازہ نہیں تھی۔ اگر یہ یاد تازہ رہے تو آدمی مضبوطی کے ساتھ صحیح راستے پر جما رہتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ فرائض کے علاوہ نوافل کی بھی فکر کی جائے۔ خاص طور پر نفل روزے اس سلسلے میں بہت مددگار ثابت ہوئے ہیں۔ ان دعاؤں کو یاد کریں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے مختلف موقعوں پر پڑھا کرتے تھے۔ اس طرح آدمی ہر وقت اللہ اور آخرت کو یاد رکھتا ہے اور صحیح راستہ پر چلتا رہتا ہے۔

عملی کام

آخری بات یہ ہے کہ اپنے مقصد کے لیے عملاً کام کیجیے۔ اگر آپ سب کچھ جان لیں لیکن عملی کام نہ کریں تو ایسا علم بیکار ہے۔ آپ اپنا مقصد اسی وقت حاصل کر سکتے ہیں جب آپ اس کے لیے کام میں لگ جائیں۔
اجتماعی اصلاح کی سعی کیجیے۔ اجتماعی زندگی کا فائدہ ہی یہ ہے کہ آدمی کو ایسا ماحول ملتا ہے جو اصلاح میں معاون ہوتا ہے۔ جب آپ کے ساتھی آپ کی غلطیوں کی نشاندہی کریں تو ان کی اصلاح کی فکر کیجئے۔ اس طرح آپ ایک بہتر کردار کے مالک بن سکیں گے۔